

مصر اور اخوان

(خلیل حامدی)

ناصر اور اخوان کی کشمکش، جو ۱۹۵۲ء سے پہلی آرہی ہے، اب پھر انتہائی افسوسناک مرحلے میں داخل ہو گئی ہے۔ ۱۹۵۲ء میں اخوان کے چھ سرکردہ رہنما تختہ دار پر لٹکا دیئے گئے تھے اور اب دوبارہ تین افراد کو پھانسی دے دی گئی ہے، جن میں نمایاں شخصیت سید قطب کی ہے۔ ان پر الزامات کی لمبی فہرست ہے لیکن سب سے بڑا اور بھوناک الزام یہ ہے کہ وہ صدر ناصر کو قتل کرنا چاہتے تھے اور طاقت کے بل پر ملک میں خوئی انقلاب برپا کرنے کی اسکیم تیار کر رہے تھے۔ ان الزامات کی حقیقت کیا ہے اور اخوان کی طرف سے ان الزامات کا کیا جواب دیا گیا ہے، ان دونوں پہلوؤں پر روشنی ڈالنے سے پہلے ان اسباب کا جائزہ لینا ضروری ہے جو حقیقت اس کشمکش کی تہ میں کام کر رہے ہیں۔

پچھلے چند سالوں میں مصری حکومت نے اپنی خارجہ سیاست کو جس ڈھب پر چلایا ہے، مصر کے سنجیدہ اور محب وطن طبقے اس سے خوش نہیں ہیں بلکہ یہ ناخوشی سخت عمیق و غضب اور اضطراب ہیجان میں تبدیل ہوتی جا رہی ہے۔ مصری قوم اسلام کی نام لیوا ہے، اسلامی تاریخ سے اس کا گہرا رشتہ ہے، اسلامی علوم کا صدیوں سے دہاں چرچا ہے۔ دنیائے اسلام کے ساتھ ہمیشہ اس کے رشتہ رہے ہیں، ماضی قریب میں اس کے اندر مصلحین اور اہل علم و دعوت کی طاقتور جماعت گزر چکی ہے، شہری آبادی کے مخصوص حلقوں کو چھوڑ کر عام آبادی، جس میں اکثریت دیہاتی قلاہین کی ہے اسلام سے شدید وابستگی رکھتی ہے اور اس کی معاشرتی زندگی میں اسلامی روایات کا گہرا اثر پایا جاتا ہے۔ اس مسلمان قوم کو جس خارجہ سیاست سے دوچار ہونا پڑ رہا ہے وہ یہ ہے :-

جہاں تک دنیائے اسلام کے مسائل و مشکلات کا تعلق ہے مصر کی خارجہ سیاست، ان کو اسلام یا مسلمانوں کے مسائل کی حیثیت سے نہیں دیکھتی بلکہ ان کیمپیوں کی مصلحت کی عینک سے دیکھتی ہے جن کی عاشیہ برداری کا اُسے شرف حاصل ہے، اور یا پھر وہ مصری حکام کی ذاتی اغراض و مصالح کے تابع ہے۔ اس غلط نگاہی نے مصر کی سیاست خارجہ کو بے اصول اور ابن الوقت بنا کر رکھ دیا ہے۔

ایک طرف مصری حکومت اسرائیل کی دشمنی کو اپنا آدین و آخرین مقصد قرار دیتی ہے، مگر دوسری طرف ان ممالک سے اُس کی گاڑھی چھپتی ہے جنہوں نے نہ صرف اسرائیل کو تسلیم کر رکھا ہے بلکہ اس کی ترقی و توسیع کے لیے کوشاں ہیں۔ یوگوسلاویہ سے دوستانہ تعلقات ہیں۔ حبشہ کے ہیلا سلاسی سے انتہائی دوستانہ ربط ضبط ہے، حالانکہ یہ شخص مسلمانوں کا قاتل ہے اور اسرائیل کے لیے افریقہ کی زمین ہموار کر رہا ہے۔ اریٹریا کی مسلم آبادیوں میں اس نے کئی اسرائیلی کیمپوں کو کاروبار کی اجازت دے رکھی ہے۔ ایک مرتبہ امریکی کانگریس میں اس نے تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ ”میں آئندہ بیس سال میں اُن تمام حبشی مسلمانوں کو عیسائی بنا دوں گا جو میری مملکت میں رہتے ہیں۔“ مکاریوس مصری حکومت کی نگاہ میں اس قدر عزیز ہے کہ ترکی کے خلاف اُسے جنگی ایلوٹک کی امداد دی گئی۔ اور اب حال ہی میں تقویت سے اعلان ہوا ہے کہ اگر ترکی نے قبرس پر حملہ کیا تو اس کی جوابی کارروائی کے لیے مصر کے راکٹ مدد کے لیے پہنچیں گے۔ مکاریوس کی شخصیت کوئی ڈھکی چھپی نہیں ہے، اسی نے قبرسی ترکوں کو بیداری کے ساتھ قتل کیا ہے، اور یہ حقیقت آرتھوڈوکس کلیسا کی آٹھ میں برطانوی استعمار کی خدمت کر رہا ہے۔ مکاریوس نے جب مصر کا دورہ کیا تھا تو اس نے صدر ناصر کی تعریف کرتے ہوئے کہا تھا کہ ”موصوف ہمارے ساتھ بڑی طناری سے پیش آئے، حتیٰ کہ گفتگو میں انہوں نے فلسطین کے مسئلہ کا ذکر تک نہیں کیا۔“ اسی طرح مصری حکومت بھارت کے ساتھ دوستانہ روابط کا اس قدر لحاظ کرتی ہے کہ بھارت نے پاکستان پر جارحانہ حملہ کر دیا مگر اس کے جواب میں مصری حکومت منتر میں گفتگیاں ڈالے بیٹھی رہی۔ بلکہ کاسا بلانکا میں منعقد ہونے والی عرب سربراہوں کی کانفرنس میں اس کا موقف یہ تھا کہ ویت نام پر تو قرارداد پاس ہونی چاہیے مگر

کشمیر کا ذکر نہیں ہونا چاہیے۔ اگر اس کا نفرنس کے بعض دوسرے ممبر اس غلط پالیسی کے مقابلے میں نہ ڈٹ جاتے تو یہ کانفرنس مسئلہ کشمیر اور پاکستان پر بھارتی حملے جیسے عظیم حادثہ پر سرے سے کوئی تبصرہ کیے بغیر برخواست ہو جاتی

مصری حکومت اور مصری حکمرانوں کے نامناسب تصرفات نے شام کو ہمیشہ کے لیے تاریک مستقبل کے حوالے کر دیا۔ شام نے مصر کے ساتھ جو جذبہ انگیز اتحاد کیا تھا اُس کا تقاضا تھا کہ شامیوں کی اس عظیم تاریخی قربانی کی قدر کی جاتی اور جن داخلی مشکلات کی وجہ سے انہوں نے مصر کے دامن میں پناہ لی تھی انہیں حل کرنے میں مدد دی جاتی۔ یہ ہر شخص کو معلوم ہے کہ شام نے کیونسٹوں کی دراندازیوں سے خائف ہو کر مصر کے ساتھ الحاق کیا تھا۔ مگر مصری حکام نے شام میں جس لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم کیا اُس کی وجہ سے شام کو مصر سے علیحدگی اختیار کرنی پڑی۔ اور اب اس کی کیفیت یہ ہے کہ وہ آسمان سے گر کر کھجور میں اٹکا ہوا ہے۔ اس سے پہلے مصر سوڈان کو ضائع کر چکا ہے۔ وادی نیل کے اتحاد کی کندھ سربام آ کر ٹوٹ گئی۔ نجیب کے ساتھ مصری حکام کا ظالمانہ سلوک سوڈانی عوام کو مصر سے متنفر کرنے کا سبب بن گیا۔ اور اب مصری حکومت اپنی سابق غلطیوں کی تلافی کے بجائے مزید غلطیوں کا ارتکاب کر رہی ہے۔ چونکہ سوڈان کی موجودہ حکومت مصر سے اتحاد کے حق میں نہیں ہے، اس لیے مصری حکام اُسے زک دینے کے لیے جنوبی سوڈان کے کیونسٹوں کو اس کے خلاف بھڑکا رہے ہیں۔ حکومت سوڈان اُس مصری اسلحہ کا انکشاف بھی کر چکی ہے جو مصر سے جنوبی سوڈان میں داخل ہوا ہے۔

اب یمن کے مسئلے کو لیجیے۔ حقیقت یہ ہے کہ یمن کا مسئلہ مصری حکومت کی ناروا سیاست کے باعث نہ صرف مصر کے لیے بدنامی کا باعث بن گیا ہے بلکہ اسرائیلی ریڈیو کے الفاظ میں پورے عالم اسلام کی پیشانی کا کلنگ کا ٹیکہ ہے۔ تین سال سے مصری فوجیں یمن میں بیٹھی ہیں۔ ان تین سالوں میں یمنی قبائل پر انہوں نے جو مظالم ٹوٹے ہیں ان کی تفصیل الگ رُوداد کی محتاج ہے۔ ان تین سالوں میں مصر اپنی فوجوں پر ایک ارب پونڈ خرچ کر چکا ہے اور ابھی تک ۵ لاکھ پونڈ روزانہ

صرف جوڑتے ہیں۔ ایک لاکھ کے ٹک بنگ افراد جنگ کی بجائے چڑھے ہیں، جن میں دس ہزار سے زائد مصری فوجی ہیں اور باقی مینی باشندے۔ ایک طرف عرب قومیت کے دعوے اور دوسری طرف عرب بھائیوں کا یہ قتل عام بہرحب وطن کے لیے یہ معاملہ تشویشناک بن چکا ہے۔ مصر کے دو لوگ خاص طور پر اس جنگ سے سخت پزار ہیں جن کے سپوت سمعرا اور تغیر کی پہاڑیوں میں نعمت اہل ہوتے ہیں۔ مصری حکومت لاکھ یہ پروپیگنڈا کرے کہ مین کی جنگ میں مرنے والے شہید حریت ہیں، مگر ایک مسلمان کا ضمیر اس بات پر کیسے مطمئن ہو سکتا ہے کہ مسلمان مسلمان کا نکلا بھی کاٹے اور شہادت کا درجہ بھی پائے۔ اس صورتِ حال سے پوری عرب دنیا، یعنی عوام اور مصری قوم سراپائیگی میں مبتلا ہے۔ خود مصری فوج بھی اس سے اکتا چکی ہے۔ خود صدر ناصر کے ایک رفیق عبداللطیف بغدادی اور کمال الدین حسین جو ان کے دستِ بامشاہت ہوتے تھے، اس جنگ سے نزاری کا ٹھکانا کر چکے ہیں، اور اسی پاداش میں عتاب کے شکار ہو چکے ہیں۔

مسئلہ فلسطین کے ساتھ مصر کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ یہ مسئلہ اب تک جن مراحل سے گزرا ہے ان کے پیش نظر یہ مسئلہ ہر امکانی حل سے دور ہوتا چلا جا رہا ہے۔ اور اب عرب عوام یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ مصری حکومت اس مسئلہ کے صحیح حل کے لیے کوئی مخلصانہ کوشش کرنے کا ارادہ نہیں رکھتی جبکہ اسرائیل کا نفوذ روز بروز بڑھتا جا رہا ہے۔ اولاً مصری حکومت ان ممالک سے دوستانہ تعلقات قائم کیے ہوتے ہیں جو نہ صرف اسرائیل کو تسلیم کرتے ہیں بلکہ اسرائیل کے قدم مضبوط کر رہے ہیں۔ دوسری طرف جو ملک اسرائیل کو کچلنے کے لیے مدد دے سکتے تھے ان سب سے مصری حکام نے سرد جہری کا نہ تیر اختیار کر رکھا ہے بلکہ کھلی کھلی مخالفت تک نوبت پہنچا رہی ہے۔ مسئلہ فلسطین کے بارے میں مصری سیاست کی نمایاں غلطیاں یہ ہیں کہ اس نے غزہ پر بین الاقوامی ایمر جنسی فوجوں کا تسلط تسلیم کر کے اس علاقے کو عملاً اسرائیل کی ٹنگ و تاز کے لیے کھول دیا ہے۔ یہی وہ علاقہ تھا جہاں سے عرب رضا کار اسرائیل میں گھس کر گوریلوار جباری رکھ سکتے تھے۔ اب بین الاقوامی پولیس عرب رضا کاروں کو اس علاقے میں داخل نہیں ہونے دیتی

اور اسرائیلی اطمینان کے ساتھ اس علاقہ میں اپنے اقتصادی منصوبے رُو بکار لارہا ہے۔ اسی طرح خلیج عقبہ پر بھی بین الاقوامی کنٹرول کو حکومتِ مصر نے تسلیم کر کے یہ خلیج عملیاتی یورڈوں کے ماتحت میں دے دی ہے۔ بین الاقوامی کنٹرول سے پہلے یہ یورڈوں کو اس خلیج میں گھسنے کی جرأت نہیں ہو سکتی تھی۔ مگر اب اُس نے ایلات کے مقام پر عظیم ایشان بندرگاہ تعمیر کر لی ہے اور اُس کے جہاز بڑے طے کرنے کے ساتھ افریقی ممالک میں آ جا رہے ہیں۔ اس خلیج کے کھل جانے سے وہ ناکہ بندی ختم ہو گئی ہے جس کی وجہ سے اسرائیل سخت پریشانی میں مبتلا تھا اور اس کی اقتصادی حالت شدید بحران کا شکار ہو رہی تھی۔ اب وہ بے کھٹکے افریقی ممالک میں اپنی تجارتی منڈیاں قائم کر رہا ہے اور افریقی ممالک کی کثیر تعداد بھی اس کے دام فریب میں مبتلا ہوتی جا رہی ہے۔

یہ تمام تغیراتِ مصری حکومت کی آنکھوں کے سامنے اس کی اپنی غلطیوں کی وجہ سے وجود میں آرہے ہیں جنہیں دیکھ کر عرب عوام کے سینوں میں آگ کے نور بھڑک رہے ہیں۔ مگر مصری حکومت ان کی تلافی کے لیے کوئی ٹھوس اقدام کرنے کے بجائے اب یہ اعلان کر رہی ہے کہ "فلسطین کے مسئلہ کا واحد حل یہ ہے کہ عرب ممالک کی سوشلسٹ اور انقلاب پسند حکومتیں متحد ہو جائیں" یعنی دنیا کے مسلمان اس پر متحد نہ ہوں، تمام عرب بھی اس پر متحد نہ ہوں، صرف وہ عرب ملک متحد ہوں جنہوں نے سوشلزم اختیار کیا ہے! فلسطین کی تنظیم آزادی کے ایک اجلاس میں صدر ناصر نے تقریر کرتے ہوئے کہا ہے:

”میں صراحت سے کہوں گا کہ ہمارے پاس اتنی طاقت نہیں ہے کہ ہم اپنا دفاع بھی کر سکیں گے کہ ہم حملہ کرنے کی پوزیشن میں ہوں۔ دریاٹے اُٹون کا رخ مٹونے کے مسئلے کو بھی سرِ دست ملتوی کر دینا چاہیے“

عبدالحمکیم عامر نے دورہ فرانس کے دوران پیرس میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ:

”جمہوریہ عرب اسرائیل سے جنگ کی نہ خواہش رکھتی ہے اور نہ ارادہ“

اسی دورے میں مصری حکومت نے ہزاروں ڈالر فرانس سے قرض لیا۔ مصر کے ایک فوجی افسر

بریکٹیڈ بر محمد فوزی نے اپنی کتاب "صہیونیت اور اسرائیل" میں ص ۱۳۱ پر لکھا ہے کہ:

"بعض لوگ مسئلہ فلسطین کا حل جنگ قرار دیتے ہیں۔ یہ بالکل غیر معقول بات ہے۔

یہ حل اقوام متحدہ کی ان قراردادوں کے منافی ہے جن پر تمام عرب ممالک دستخط کر چکے ہیں۔

نیز یہ حل پر امن بقائے باہم کے اصول کے بھی خلاف ہے جس کا مصر علیہ السلام ہے؟"

یہ کتاب قاہرہ میں لٹری ٹرنینگ کالج کے کورس میں شامل ہے۔ کیا یہ بھی کوئی معتمد ہے؟

مصر کے مسلم عوام نہیں سمجھ سکتے کہ مصری حکومت میں ایک ارب پونڈ خرچ کر سکتی ہے، ۶۰ ہزار فوج استعمال کر سکتی ہے، مگر مسئلہ فلسطین کو حل کرنے کے لیے اس کے پاس ذرائع نہیں ہیں۔

دنیا تے عرب بلکہ دنیا تے اسلام میں اس وقت جو موضوع زبان و عوام و خاص ہے وہ ہے

"اسلامی اتحاد" عرب سربراہوں کی کانفرنس اپنے گزشتہ اجلاس میں قرارداد واپس لے چکی ہے کہ مسئلہ

فلسطین کو صرف عربوں تک محدود رکھنے کے بجائے اسے تمام مسلمانوں کا مسئلہ قرار دینا چاہیے، اور اس کے

یہ مسلمان حکومتوں کا تعاون حاصل کرنا چاہیے۔ صومالی لینڈ کے سربراہ نے تجویز پیش کرتے ہیں کہ مسلمان

ملکوں کے درمیان بعض مسائل پر اتحاد ہونا چاہیے، اور اس غرض کے لیے مسلمان سربراہوں کی کانفرنس

منعقد ہونی چاہیے۔ سعودی عرب کے شاہ فیصل اس تجویز کی تائید کرتے ہیں اور علما اس دعوت کو لے کر

اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ اب تقاضائے عقل و انصاف یہ تھا کہ مصری حکومت بڑھ کر اس دعوت سے

تعاون کرتی، بلکہ اس کے مقدمہ اجماع میں شامل ہوتی۔ مگر اس کے برعکس اس دعوت کی سب سے

پہلے جس نے مخالفت کی ہے وہ مصر کے حکمران ہیں۔ نہ وہ خود اس اسکیم میں شامل ہونے کے لیے تیار

ہیں اور نہ دوسرے زیر اثر ممالک کو اس اسکیم میں شامل ہونے کی اجازت دیتے ہیں۔ بلکہ اس اسکیم کا

جواب وہ دلیل سے دینے کے بجائے سب و شتم پر اتر آئے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اگر عرب ممالک

کی سوشلسٹ اور انقلاب پسند حکومتیں متحد ہو سکتی ہیں، اور انقلاب اور سوشلزم کے نظریات کو بنا

اتحاد قرار دے سکتی ہیں تو اسلام کی اصولی بنیاد پر اتحاد کیوں حرام ہے؟ علاوہ ازیں مصری حکام

نے اپنے مخالفوں پر تنقید کے لیے اگر عرب سربراہوں کو مخالفوں کی صف میں رکھا جا سکتا ہے، جو

زبان اور اسلوب اختیار کیا ہے وہ نہ اسلامی اخلاق کے مطابق ہے نہ عربی اخلاق کے مطابق، بلکہ لسانی اخلاق بھی اس کو گوارا نہیں کر سکتا۔ یہ کہنا کہ "فلان" سید خاندان میں سے نہیں بلکہ شیطان کے خاندان میں سے ہے؛ "فلان بیہوشی کا بچہ ہے؛" "فلان ڈاڑھ جاتا ہے؛" کیا یہ زبان کسی مہذب حکومت کے پروپیگنڈا کی زبان ہو سکتی ہے؟ آخر مصر کے باشندے اتنے گئے گزے تو نہیں ہیں کہ وہ اپنے ملک کی ترجمانی اس انداز میں ہوتے دیکھ کر پریشان نہ ہوں۔

مصر کی اندرونی حالت بھی قابلِ مطالعہ ہے جیسا کہ ہم نے ابتداء میں عرض کیا ہے؛ "مصری عوام کی اکثریت سیدھے سادے فلائین پر مشتمل ہے۔ فلائین کی اسلام سے وابستگی اس قدر اٹل ہے جس قدر کسی بڑھیا کا ایمان ال ہو سکتا ہے۔ دوسرے عمارت کے مسلمانوں کی طرح ان کی خواہش بھی یہ ہے کہ مصر کے اندر اسلام کا پرچا ہو، اسلامی تعینات کو فروغ حاصل ہو، اسلامی قانون کو فوقیت حاصل ہو، ان کے سربراہ اسلامی شریعت کے پابند اور اسلاف کے نقش قدم پر چلنے والے ہوں۔ مگر حالات ان کی خواہشوں کی نہ صرف تکمیل نہیں کرتے بلکہ انہیں پامال کرتے ہیں۔

مصر کا میثاق مجھے دستوری اختیارات حاصل ہیں، سات اعلان کرتا ہے کہ ملک کے اندر سوشلسٹ نظام نافذ کیا جائے گا۔ صدر ناصر اس سوشلسٹ نظام کو "نظریاتی سوشلزم" کی اصطلاح سے تعبیر کرتے ہیں اور مصر کا پرچم "نظریاتی سوشلزم کی تشریح" "مارکسزم" کرتا ہے، خاندان کے عہد تک دستور میں کم از کم یہ فقرہ موجود تھا کہ "ریاست کا سرکاری مذہب اسلام ہوگا؛ مگر مصری میثاق اس مذہب پسندی سے بالکل پاک ہے۔ سوشلسٹ نظام صرف زبان سے نہیں بلکہ عملاً مصر میں نافذ کیا جاتا ہے۔" عرب سوشلسٹ پارٹی "جو مصر کی واحد پارٹی ہے، اس کا نفاذ اپنے ہاتھ میں لیتی ہے۔" مصر کی "کمونسٹ پارٹی" اپنے وجود کو ختم کر کے "عرب سوشلسٹ پارٹی" میں ادغام کا اعلان کرتی ہے۔ سوشلزم کے نفاذ کے بعد مصری حکومت نے اندھا دھند شخصی جاننا دوں اور کمپنیوں پر جس طرح قبضہ کیا ہے، اس نے عوام کے اندر خوف و براس اور انتقامی جذبات کو بھڑکا دیا ہے۔ مصر کی اقتصادی حالت تباہی کے گڑھے تک پہنچ چکی ہے۔ خود الہرام کے بیان کے مطابق قاہرہ گداگروں کا شہر

بن چکا ہے۔ اس سوشلزم سے اگر حقیقتاً کسی کو فائدہ پہنچا ہے تو وہ فرد اور اور کسان نہیں ہیں بلکہ عرب سوشلسٹ پارٹی کے عہدیدار ہیں، جن کی دھاندلیوں اور لوٹ کھسوٹ سے کوئی شریف انسان نہیں بچ سکا۔

اخلاقی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو مصر کے بڑے بڑے شہر، قاہرہ اور اسکندریہ فسق و فجور کے آڈوں میں تبدیل ہو چکے ہیں۔ اخبارات پر کمیونسٹ اور ملاحدہ چھائے ہوئے ہیں اور وہ جی بھر کر اباحیت اور اخلاقی انارکی کی حوصلہ افزائی کر رہے ہیں۔ ہر وہ شخص جو پابندی سے ناز پڑھتا ہے، قہورہ خانوں اور عقینٹروں اور سینماؤں سے پرہیز کرتا ہے، وہ ان کی نگاہ میں رجعت پسند ہے، استعمار کا ایجنٹ ہے، گردن زدنی ہے۔

سب سے بڑی آفت جو مصر پر ٹوٹ رہی ہے، وہ فرعونی تہذیب کا احیاء ہے۔ مصری میثاق یہ کہتا ہے کہ ”ہم اپنی ترقی کا خاکہ عہدِ فراعنہ کی تہذیب سے اخذ کریں گے“۔ عمیس (فرعون مصر) کا مجسمہ صحراء کی کھدائیوں سے منتقل کر کے قاہرہ کے وسط میں نصب کیا گیا اور اس منصوبے پر ۵ لاکھ پونڈ خرچ ہوئے۔ صدر زاصر نے اپنی ایک تقریر میں عوام سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا: ”اے تختہ موت اور عمیس کے فرزندو! اسی طرح ایک اور موقع پر تقریر کے دوران کہا تھا: ”دو ہزار سال کے بعد آج مصر پر پہلی مرتبہ خود اہل مصر کو حکومت کرنے کا موقع ملا ہے“۔ گویا حضرت عمر کے زمانہ سے لیکر اب تک کے تمام غیر مصری مسلمان حکمرانوں کا دور ان کی نگاہ میں استعماری دور تھا۔ اور فراعنہ کی عورت کے بعد اب مصر کو پہلی مرتبہ استعمار سے آزادی نصیب ہوئی ہے۔ اور یہ جبارت یہاں تک بڑھتی ہے کہ ابوسمبل کے مندروں اور مجسموں کی بنیادوں میں مصری میثاق، انجیل اور قرآن مجید کے دو دو نئے دین کیسے جلتے ہیں۔ کیا کسی ان پڑھ سے ان پڑھ مسلمان سے ہم یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ فراعنہ کے بتوں کے نیچے قرآن مجید رکھے جانے پر خاموش رہے گا اور اس کی غیرت ایمانی اسے گوارا کرے گی؟

یہ سب کچھ ان حالات میں ہو رہا ہے جبکہ شہری آزادیاں مفقود ہیں۔ پریس حکومت کے

قبضے میں ہے۔ آزاد اخبارات ختم ہو چکے ہیں۔ مصر کے نامور اخبار المصریٰ کا ایڈیٹر ابوالفتح جلاوطنی کی زندگی بسر کر رہا ہے۔ ایک دوسرے مشہور اخبار کا ایڈیٹر مصطفیٰ امین جو مصری حکام کے ثنا خوانوں میں پیش پیش تھا، جیل میں نظر بند ہے اور اس پر امریکہ کی جاسوسی کا الزام ہے۔ کمیونسٹ اخبارات و رسائل ملک میں بارش کی طرح برس رہے ہیں۔ کمیونسٹ ٹریڈ یونینوں میں پانی کی طرح بہ رہا ہے۔ الہرام کے ایڈیٹر محمد حسین مہیکل اور صوت القاہرہ کے اناؤنسر سعید احمد برابر سوشلزم کی تفسیریں عوام کو سنارہے ہیں۔ ایک گروہ ازہر کے علماء کا بھی ہاتھ لگ گیا ہے جو اسلام کو سوشلزم اور اسلامی تاریخ کی نمایاں شخصیتوں کو سوشلسٹ ثابت کر رہا ہے۔ سوشلزم کے فضائل و مناقب کی گونج سے مصر کی فضا مرتعش ہو رہی ہے اور آسمان پھٹ رہا ہے۔ مصری اخبارات کے بیان کے مطابق ہر روز صدر ناصر کو قتل کرنے کی سازش پکڑی جاتی ہے جس کے پیچھے کسی نہ کسی ”رجعت پست“ گروہ کا ہاتھ تار ہلاتا دریافت ہو جاتا ہے۔ اور عملاً یہ حال ہے کہ جب مصر میں مختلف کارخانوں اور اداروں کو قومی تحویل میں لیا گیا ہے بلکہ صحیح الفاظ میں سوشلسٹ پارٹی کی تحویل میں دیا گیا ہے، ان اداروں سے ہونے والی آمدنی صفر کے برابر ہو چکی ہے اور مصارف پہلے سے دو گنے ہو گئے ہیں۔ یہ تو تصویر کا ایک رخ ہے۔ اب اس تصویر کا دوسرا رخ ملاحظہ ہو۔ ”عرب سوشلسٹ پارٹی“ اور مصری حکام عوام کے حلق میں جو تلخ گھونٹ اتارنا چاہتے ہیں وہ ان سے اتر نہیں رہے ہیں۔ یثاق کے محامد و محاسن مصری عوام سے منوانے کے لیے لاکھوں پونڈ صرف ہو رہے ہیں، مگر عوام یثاق پر ایمان لانے سے ابا کر رہے ہیں۔ وہ اسے کسی ایچ پیج کے بغیر کمیونسٹ دستور کا چربہ سمجھتے ہیں۔ فرعون تہذیب کے اجیاء کے لیے پوری حکومت کی مشینری وقف تک و تاز ہے۔ مصری پونڈ پر فرعون کی تصویر چھپ گئی ہے، ڈاک کی ٹکٹوں پر فرعون کی تصویر ہے، مصری کرنسی پر فرعونی عہد کا نشان ”عقاب“ ثبت ہو گیا ہے، سڑکوں کے نام شارع رمیس، پارکوں کے نام میدان رمیس، سینماؤں کا نام رمیس سینما، مصر کی ساختہ موٹر ڈاگرچہ یہ بات مشکوک ہے، کا نام رمیس رکھ دیا گیا ہے۔ مگر مصر کے مسلم عوام اس تہذیب پر ہزار بار لعنت بھیج چکے ہیں اور وہ فرعون کو اسی

نگاہ سے دیکھتے ہیں جس نگاہ سے حضرت موسیٰ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ملتے والوں کو دیکھنا چاہیے۔ اسی طرح یمن میں حکومت کی مسلسل غلطیوں پر پردہ ڈالنے کی انتہائی کوشش کی گئی ہے۔ یمن میں مرنے والے فوجیوں کو شہیدِ حریت کا خطاب دیا گیا ہے۔ اُن کے رشتہ داروں کو مختلف بہانوں سے راضی کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مگر اس کے باوجود مصری فوج کا ایک حصہ اور مصری عوام اس برادرکشی سے قطعی بیزار ہیں۔

اس کے مقابلے میں اسلام پسند عنصر، خواہ وہ اخوان المسلمون کا حامی ہو یا مخالف، جو بات کہتا ہے اس کی صدائے بازگشت عوام میں اُفق تا اُفق سُنی جاتی ہے۔ اخوان المسلمون کے رہنما اور کارکن ۱۹۵۷ء کے اواخر سے جیلوں میں ہیں۔ سیاسی لحاظ سے اُن کی کسی سرگرمی کا تصور ہی محال ہے۔ البتہ اُن کے اہل علم خواہ وہ جیل میں تھے یا باہر، علمی اور فکری لحاظ سے ملک کے اندر اسلام کو بچانے کی جو خدمت کر سکتے تھے انہوں نے کی ہے۔ اسلام کے مختلف موضوعات پر انہوں نے لٹریچر تیار کیا۔ مصر میں تفسیر، حدیث، فقہ، اسلامی تاریخ اور اسلامی نظام فکر پر اس قدر وافر لٹریچر پچھلے دس سالوں میں تیار ہوا ہے اور اس قدر مختلف النوع مسائل پر مشتمل ہے کہ انسان کھنے والوں کی جرأت و بہت اور چھاپنے والوں کے ایثار کی داد دینے بغیر نہیں دے سکتا۔ آج ہمیں اسلام کے فوجداری نظام پر عبدالقادر عودہ شہید کی مشہور کتاب کے دو حصوں کے علاوہ نامور مصری محقق فتیح بہنس کی اس موضوع پر چھ ضخیم کتابیں ملتی ہیں۔ اسلام کے بین الاقوامی قانون پر طنطا کے کورٹ آف اپیل کے جج کی بے نظیر تالیف ملتی ہے۔ اسلامی نظام کے فلسفیانہ مباحث پر محمد قطب، عبداللہ التمان، محمد حسین کی تصانیف ملتی ہیں۔ نامور ان اسلام کے عنوان سے اسلامی تاریخ کے فقہاء، مفسرین، محدثین، قائدین، اہل لغت و نحو اور ارباب سیر و تاریخ کی زندگیوں پر مشتمل طویل سلسلہ ہمارے سامنے موجود ہے جو مصر کے مطبعوں نے چھاپا ہے۔ الغرض اس طرح ہزار ہا کتابیں اس دور میں اہل علم نے تیار کی ہیں اور فکری اور علمی لحاظ سے اسلام کی برتری ثابت کرنے کی جدوجہد کی ہے۔ یہی ”رحبت پسندانہ“ لٹریچر مصر کے

عوام میں قبولیت کا مقام حاصل کر سکا ہے۔ مصر کے مکتبے اسی ٹیڑھ پر سے لبریز، اور خریداروں کی اکثریت کی بغل میں یہی ٹیڑھ رکھی گیا ہے۔

مصر کی کمیونسٹ پارٹی جو اب عرب سوشلسٹ پارٹی کے نام سے موسوم ہے، کے لیے یہ صورتِ حال سو مانِ رُوح بنی ہوئی تھی۔ مصر کو سوشلسٹ ریاضیح لفظوں میں کمیونسٹ، مگر میں تبدیل کرنے کے لیے ان رجعت پسندانہ "افکار اور رجعت پسند" اہلِ قلم کا کلی استیصال ضروری تھا۔ ہمارے علم کے مطابق کمیونسٹ لیڈروں نے ایک طویل رپورٹ تیار کر کے ماسکو بھیجی جس میں یہ وضاحت کی گئی کہ مصر میں جب تک رجعت پسند گروہ کا ایک فرد بھی موجود ہے اُس وقت تک مصر ہمارے لیے فخرِ تر نہیں بن سکتا۔

سیاسی لحاظ سے بھی مصر کی جو کیفیت ہے اُس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ سنی حکام کے تصرفِ ناروا سے شام کے لوگ صرف ۳ سال کے اندر چلا اٹھے اور انہوں نے شام کو مصر کے پنجے سے آزاد کر دیا۔ لیکن جہاں ۱۲ سال سے یہ ناروا کارروائیاں جاری ہوں وہاں آخر اضطراب و بیزاری کس درجہ تک پہنچ چکی ہوگی۔ مصری عوام کی مصری حکام سے بیزاری کا کھلا مظاہرہ اس وقت ہوا جب ۶۴ء میں مصطفیٰ نجاس پاشا کی وفات ہوئی اور لاکھوں کی تعداد میں لوگ ان کے جنازہ میں شریک ہوئے اور جنازہ کے اندر عوام اور پولیس کی جھڑپیں ہوئیں۔ اس بیزاری کا علاج یہ تجویز کیا گیا کہ ۱۱ اکتوبر ۶۵ء کو ایک قانون نافذ کیا گیا جس کی زور سے صدرِ مملکت کو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ کسی بھی شخص کو سیاسی وجوہ کی بنا پر تادمِ چلا سے بغیر گرفتار کر سکتا ہے اور اس کے خلاف کسی جگہ اپیل نہیں کی جاسکتی۔

ادھر مین کا مسئلہ بھی ایسے مرحلے میں داخل ہو چکا ہے کہ مصر کے عوام جوشِ جنوں میں سر بھی پھوڑیں تو کم ہے۔ تین سال تک مصری فوجوں نے یمن کی اینٹ سے اینٹ بجائی۔ ایک ارب پونڈ خرچ کیے۔ دس ہزار (اور دوسری روایت کے مطابق ۲۵ ہزار) مصری سپوتوں کو اس جنگ کی نذر کیا۔ مصر کی اقتصادیات کا استیلا ناس کیا۔ اسرائیل کے مقابلے کے لیے جو رہی یہی قوت موجود رہی (۶۹ء)